طویل نظم کی شعریات

ڈاکٹر عابد خورشید☆

The Poetics of long poem

Dr. Abid Khurshid

Abstract:
The roots of Long Poem are very deep in Urdu literature. It has benefited itself from old Urdu genre like Masnavi ,Qaseeda and Shehr-e-Aashob. The vastness of subject does not determine the importance of Long Poem, but it is the selection of subject that matters. This genre is very useful for the presentation of the issues of its age as it has the capacity to accommodate variety of shades of different cultures and civilizations. It is the vastness of sensibility, depth of subject and poetic command of the poet that can make long poem worth reading.

Key words:
Long poem, Genre of literature, poetic tradition, contemporary conditions

کلیدی الفاظ:

طویل نظم، اصنافِ ادب، شعری روایت، ہم عصر صورتِ حال

اُردو میں طویل نظم کی اظہاری حیثیت، دیگر شعری اصناف کے ہم پلہ ہے۔اِس صنف نے عجلت پسندی کی نسبت سیر ابیت کو فروغ دیا ہے۔اَدب کی تشنگی کو جس طویل گھونٹ کی ضرورت تھی، طویل نظم نے وہ مہیا کیا ہے۔ شعری مظاہر کو تنگ دامنی سے نکال کر وسعت آشنا کیا اوراِس سے بڑھ کر، تہذیبی و ثقافتی ورثے کی کڑیوں کو منضبط کرنے میں بھی اپنا اہم کردار ادا کیا۔ جذبے کی وارفتگی اور کثرت سے معنوی ٹھہراؤ،اِس صنف کی شعریات میں ایک اہم عنصر ہے اوراِسے مختصر نظم سے الگ کرتا ہے۔ طویل نظم کی طوالت درخت کی شاخوں کے مماثل ہوتی ہے، یعنی ظاہری اور باطنی پھیلاؤ گہرا ہوتا ہے۔ بہ طرزِ سخن یہ صنف اپنے منفرد مزاج کے باوصف ایک ایسےSpectrum سے تناظر کا ارتفاع پیش کرتی ہے، جہاں شعری آراستگی ایک مخصوص اسلوب میں ڈھل جاتی ہے۔ Lynn Keller طویل نظم کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے جب یہ کہتے ہیں کہ طویل نظم کی ضخامت 'کتاب' کے برابر ہونی چاہیے(۱)تو دراصل وہ اِس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ طویل نظم، مختصر نظم کے تصور سے باہر نکل سکے اور اُس کی طوالت کا ایک تصور بن جائے، کیوں کہ طویل نظم کی بہ طور صنف، جامع تعریف کے لیے اِس کی طوالت ہی کو

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، یونیورسٹی آف لاہور

مد نظر رکھنا ہو گا، نہ کہ مصرعوں یا اشعار کی تعداد مقرر کر دی جائے۔ مثال کے طور پر اگر ہم یہ طے کر لیں کہ سو مصرعوں پر مشتمل نظم کو ہم "طویل نظم" کہیں گے تو کیا ننانوے مصرعوں کی نظم "طویل" نہیں ہو گی؟

"اُردو میں طویل نظم کی فکری و فنی روایت" ایسا جامع موضوع ہے، جو کثیر الجہات تہذیبی اقدار کے وسیع تناظر کو سمیٹنے کی گنجایش رکھتا ہے، کیوں کہ طویل لکھنے کے لیے شاعر کسی نہ کسی ایسی جہت کا سہارا لیتا ہے، جس میں کسی ثقافتی ڈسکورس کے ذریعے معاشرے کے مختلف مظاہر کو جوڑا جا سکتا ہے اور اسی طرح طویل نظم کے مختلف حصوں کو بھی آپس میں مربوط کر لیا جاتا ہے۔ ضرورت اِس اَمر کی ہے کہ اس صنف کی "شعریات" کا احاطہ کیا جائے۔ مثلاً طویل نظم ہے کیا؟ کیا محض طوالت اِس صنف کو شناخت دینے کے لیے کافی ہے! علاوہ بریں طویل نظم کا اُردو کے دیگر طویل منظومات سے کیا اختصاص ہے؟ مثنوی، قصیدہ، شہر آشوب، واسوخت یا دیگر منظومات سے طویل نظم کی جداگانہ حیثیت کیسے قائم رہ سکتی ہے؟ طویل نظم کی تخلیقی جست اُسے 'صنف' کے درجے پر پہنچانے میں مدد و معاون ہو سکتی ہے؟ طویل نظم کے ابتدائی خدوخال کا اجمالی جائزہ، اِس صنف کی ترویج میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ نیز یہ صنف تسلسل کو کس انداز سے مربوط رکھنے میں کامیاب ہو سکتی ہے؟ یہ تمام سوالات اپنی جگہ اہم ہیں۔

اُردو میں طویل نظم کا ارتقا، فکری نوعیت سے بھی تجزیاتی مطالعے کا متقاضی ہے اور فنی لحاظ سے بھی۔ نظم کے تخصیصی مزاج اور اِس کے پھیلاؤ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اکیسویں صدی بلاشبہ نظم کی صدی ہے۔ اکثر علوم کا میلان بھی نظم ہی کی طرف دِکھائی دیتا ہے۔ نظم کی یہ انفرادیت متقاضی ہے کہ اِسے روایتی رُجحانات سے ہٹ کر امتزاجی نکتہ نظر سے دیکھا جائے۔ ہر عہد کا اقداری نظام، تحرک کا زائیدہ ہوتا ہے۔ یہ ٹوٹ پھوٹ مثبت بھی ہو سکتی ہے اور منفی بھی۔ اِس عمل کو مہمیز ملنے سے ثقافتی، تہذیبی، سیاسی اور عمرانی رویوں میں عمل اور ردِ عمل کی حد فاصل بھی معدوم ہونے لگتی ہے اور اِس کے اثرات اَدب کی مختلف اصناف پر رونما ہونے والی موضوعاتی جہتوں پر بھی براہِ راست ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔

اُردو میں طویل نظم کی مضبوط روایت کو تخلیق کار کی توجہ تو حاصل رہی لیکن یہ روایت اپنے ناقد کو فعال کرنے میں زیادہ کامیاب دکھائی نہیں دیتی۔ منضبط مطالعہ ہی اِس تاثر کو زائل کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے کہ طویل نظم کا تعلق محض طویل لکھنے سے نہیں ہے۔ طویل نظم کا اظہار، احساس کے پھیلاؤ سے جڑا ہوا ہے، اِس میں موضوع یا بحر کا ایک ہونا بھی لازم نہیں ہے۔ طویل نظم کو اَدب عالیہ کے پلڑے میں کسی حیل و عجت کے بغیر رکھا جا سکتا ہے، طویل لکھنا ایک ایسا

معیار ہے کہ جس پر شاعر کو پرکھا بھی جاسکتا ہے کہ اُس میں اظہار کا کتنا جوہر موجود ہے۔ طویل نظم کے لیے شاعر اور قاری دونوں کا تربیت یافتہ ہونا ضروری ہے، نیز اِس صنف میں ہیئت اور موضوع کے تجربات کی اہمیت دیگر اصناف سے کہیں زیادہ ہے۔ اِس میں مجموعی تاثر برقرار رکھنا کسی منصوبہ بندی کے بغیر بھی ممکن ہندوستان اور پاکستان میں طویل نظم پر بیسویں صدی کے اختصاص اور اِس کی روایت کے حوالے سے تحقیقی کام ہوا ہے لیکن گنجایش یہ پیدا ہوتی ہے کہ اُردو میں طویل نظم کی مجموعی روایت کو فکری اور فنی تناظر میں رکھ کر تجزیاتی مطالعہ کیا جائے اور اِس صنف کے زریں دور سے انسلاک کرتے ہوئے عہدِ جدید تک لایا جائے۔

نظم کے جدید مباحث میں، انتقادِ اَدب کی جن نئی گرہوں کو کھولا گیا ہے، اُن میں سے ایک Linguistic System بھی ہے۔ تخلیقی عمل میں جو اہمیت متن کو آج حاصل ہے، وہ شاید اِس شد و مد سے پہلے کبھی نہ تھی۔ اِس اہمیت نے نہ صرف قاری، بلکہ خود تخلیق کار کو بھی اپنا مرہونِ منت کر لیا ہے۔ اصولی طور پر اس کا فائدہ نظم کو ہوا۔ آج جو کشادگی اور اعتبار اِسے حاصل ہے، اُس کی ایک وجہ وہ نظمیاتی اظہار ہے، جہاں آج نظم موجود ہے۔ موضوع کے ساتھ ہیئت میں بھی ارتکاز کا عمل فطری طور پر جاری رہتا ہے اور بیشتر ہیئتوں میں نظم نے اپنی اہمیت کو منوایا ہے۔

طویل نظم میں طوالت محض طوالت نہیں ہے۔ اُس کی بُنت میں موضوع کی گہرائی، قادر الکلامی اور تسلسل ایسے عناصر ہیں، جن کی بدولت اِسے اعتبار ملا ہے۔ طویل نظم میں متحرک نکتہ اِس کی طوالت ہے، یعنی طوالت کا معیار کیا ہے اور کیا ہونا چاہیے؟ پھر یہ کہ طویل نظم کی شعریات کیا ہو سکتی ہیں؟ نیز دیگر چند اہم نکات جو اِس کی شعری بُنت میں اپنا اہم کردار ادا کر سکتے ہیں، اُن میں یہ پہلو بھی اہم ہے کہ کیا طویل نظم اور مختصر نظم، ایک ہی صنف کے دو مختلف تصور ہیں؟ ایک عمومی رائے یہ بھی ہے کہ طویل نظم، چھوٹی چھوٹی نظموں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ فطری طور پر اِس کی طوالت کو برقرار رکھنا ممکن نہیں۔ ڈاکٹر وزیر آغا، طویل نظم کے اِس جواز کے بارے میں لکھتے ہیں:

> طویل نظم، جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ نہ تو متعدد مختصر نظموں کو جوڑ کر 'نظم' بنانے کی ایک صورت ہے اور نہ مصرعوں یا لائنوں کی ایک خاص تعداد مقرر کرنا اِس کے لیے ضروری ہے۔ اسی طرح طویل نظم، تاریخی واقعات اور رومانی داستانوں کو منظوم کرنے یا رزمیہ یا مرثیہ میں ڈھالنے کا نام بھی نہیں۔ طویل نظم تو شعری تجزیہ کو اساس بناتی ہے۔ اگر تجربہ ہفت پہلو یا اس میں اَن گنت ابعاد ہیں تو لامحالہ وہ اپنے اظہار کے لیے طویل نظم کے پیمانے کا مطالبہ کرے گا۔[2]

کیا طویل نظم کے لیے بحر کا ایک ہونا ضروری ہے؟ طویل نظم شعوری طور پر لکھی جانے والی صنف ہے؟ اِس میں موضوع کا ایک ہونا ضروری ہے؟ کیا اِس میں کہیں 'درمیانی کڑیاں' بھی موجود ہیں جن کی مدد سے طویل نظم کی ابتدائی اور موجودہ سطح کو جوڑا جا سکتا ہے۔ اِس اَمر کے باوجود کہ طویل نظم عرصہ دراز سے لکھی جا رہی ہے، اپنی شعریات مرتب کرنے میں یہ صنف عدم توجہ کا شکار رہی ہے۔ ڈاکٹر ندیم صدیقی طویل نظم کی پختہ کاری کو عصری تقاضوں سے مملو کر کے دیکھتے ہیں، وہ لکھتے ہیں

> طویل نظم فکر و خیال کی اِس پختگی کی مظہر ہے۔ جہاں جذبات کی دھڑکن کے ساتھ ساتھ زندگی پر ناقدانہ نگاہ ڈالنے کا شعور بھی بیدار ہو جاتا ہے۔ یہ عصری تقاضوں سے بے اعتنائی نہیں برتتی بلکہ اِس دور کے انفرادی اور اجتماعی مسائل حیات کے انبار سے کوئی اہم سوال منتخب کر لیتی ہے۔(۳)

کسی بھی تخلیق کے عقب میں بننے والا تخلیقی فشار ہی اُسے اظہاری قوت دیتا ہے، یعنی جتنا بڑا تخلیقی فشار ہو گا، اُس کے لیے صنف اور ہیئت بھی از خود نمودار ہو گی۔ شاعری میں اِس احساس کا اندازہ شاخ کے پتّوں کو دیکھ کر لگایا جا سکتا ہے۔ تنے کے قریب کے پتّوں کا رنگ بہت گہرا ہوتا ہے اور جوں جوں آگے بڑھتے جائیں تو وہی رنگ ہلکا ہونا شروع ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ تازگی اور خوش نمائی کی وہ صورت دِکھائی دیتی ہے جو جذبے کی بھی ابتدائی شکل ہوتی ہے۔ نظم کی ساخت میں جو مشترکہ تشکیلات وجود پا سکتی ہیں، اُن میں نظم کے مختصر یا طویل ہونے سے زیادہ اہم وہ بنیادی امتیازات ہیں جو نظم میں بطور صنف کار فرما ہوتے ہیں، یعنی موضوعاتی خود مختاری، داخلی بُنت، مفرد الفاظ کا فروغ، نامیاتی وحدت، تراکیب اور تشبیہات میں غزل کے اسلوب سے گریز، قوافی کے غیر ضروری استعمال سے قطع نظر ایک اور رویہ جو نظم اور غزل کے مزاج کو کسی حد تک منفک کر دیتا ہے وہ دونوں اصناف میں مصرع کا اختراعی جواز ہے، ورنہ طویل نظم کو بھی آغاز میں ویسے ہی خدشات کا سامنا تھا جو نظم کو صنفی مزاج متعین کرتے ہوئے درپیش ہوا۔ یعنی اُسے 'عاری نظم' اور 'نظم سفید' ایسے گھٹن زدہ جملے تو سُننے پڑے لیکن پھر منفرج صورت حال ہوئی اور علوم کی یلغار کو نظم نے اپنے دامن میں جگہ دی جس سے موضوعاتی وسعت کا لامتناہی سلسلہ پیدا ہوا۔

شاہد شیدائی اِن الفاظ میں طویل نظم کے فنی لوازم اور اسلوب کی چاشنی پر بحث کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں :

> طویل نظم کا خاصا یہ ہے کہ وہ مختصر نظم کی تمام تر خصوصیات، مثلاً شعری مواد تخلیقی لفظیات، فنی لوازم، بر محل زبان و بیاں اور اسلوب کی چاشنی وغیرہ سے مملو

> ہو، مگر بے ربط ستائزوں اور بے جا طوالت سے گریز لازم ہے... ایک ہی بات کو گھما پھرا کر دُہراتے رہنا اور بیانیہ انداز اختیار کرنا، قصے کو خواہ مخواہ طول دینا اور کہانی میں سے کہانیاں نکالتے چلے جانا، غیر ضروری کرداروں اور عصری واقعات کی بھرمار کرنا اور بلند آہنگ جذباتیت سے کام لینا، ایسے عوامل ہیں، جو طویل نظم کے حسن کو بُری طرح متاثر کر سکتے ہیں۔(4)

طویل نظم کا سفر بیج سے کلی اور پھول سے خوشبو بن کر بکھرنے کا عمل ہے۔ بعض اوقات شاعر کے ہاں کسی طویل نظم کے 'آثار' کسی مختصر نظم میں در آتے ہیں اور اِس کا احساس کہیں بعد میں جا کر ہوتا ہے۔ تخلیقی عمل پوری طرح اپنا اظہار نہیں کر پاتا اور نظم، شاعر سے کچھ اور چاہیے وسعت میرے بیاں کے لیے، کا تقاضا کرتی رہتی ہے۔ بعض اوقات طویل نظم کا دورانیہ کئی کئی دہائیوں پر پھیل جاتا ہے۔ موضوع کی اِس جڑت کے بغیر کوئی 'اکائی' اِتنی طویل مدت تک کیسے قائم رہ سکتی ہے؟ جب کسی شاعر کے اندر شعری مواد لبالب بھر جاتا ہے اور قریب ہوتا ہے کہ پیمانہ چھلک جائے، تو ایسے میں بڑے سانچے کا اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ ورنہ وہ تخلیقی اُبال بے معنی ہو جاتا ہے۔ یہ شاعر کی قوتِ اظہار جاننے کے لیے بھی کسی کٹھن مرحلے سے کم نہیں کہ وہ کہاں تک موضوع کو نبھانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ جب تخلیقی جست، جہان سے جہانِ دیگر میں منقلب ہو جائے تو شاعر کا تصورات، لفظی تراکیب میں تکرار کا مرتکب ہو جانا فطری ہے۔ طویل نظم اِمکانات کی بھید بھری دُنیا ہے۔ اِس طویل سفر پر کچھ شاعر اپنے آپ کو دہرانے لگتے ہیں، اُن کے ہاں اسلوب کی یکسانیت، الفاظ کی تکرار اور موضوع کی یک رُخی سے علامت، استعارے اور تشبیہات کی تازگی کم ہونا شروع ہو جاتی ہے اور شاعری محض منظوم نثر بن کر رہ جاتی ہے لیکن اِس کیفیت سے بچا جا سکتا ہے، اگر شاعر نے اپنے اندر کوئی کسوٹی، پرکھ یا کوئی تنقیدی رکاوٹ رکھی ہے تو بہت سا کچا مواد از خود رہ جاتا ہے۔ طویل نظم، حیات و کائنات کے ممکنہ مسائل کے تجزیے کا جواز رکھتی ہے۔ عصری، انفرادی اور اجتماعی تقاضوں پر توجہ مرتکز رکھنے کی صلاحیت اس میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ داخلیت اور خارجیت کا امتزاج اِس میں خصوصیت سے پایا جاتا ہے۔ طویل نظم کی شعریات، ناول کی شعریات جیسی ہے۔ جس میں کسی بڑے تہذیبی یا ثقافتی تجربے کو بیان کرنے کے لیے وسیع کینوس موجود ہوتا ہے، انسانی جبلت کا نفسیاتی تجزیہ کرتے ہوئے ناول نگار کئی کئی نسلوں تک، پیچھے چلا جاتا ہے کیوں کہ اِس وسعت کے بغیر پھیلاؤ کا یہ تصور بے معنی ہو سکتا ہے۔

اَدب میں اصناف کا ایک دوسرے سے انسلاک غیر فطری نہیں ہوتا۔ ایک صنف کی جڑیں دیگر اصناف سے بھی جڑی ہوتی ہیں۔ نظم میں اکائی مصرع ہے اور غزل میں شعر۔ پھر نظم کا

مصرع ایک لفظ کا بھی ہو سکتا ہے۔ بعض صورتوں میں محض کوئیsing بھی مکمل مصرعے کا وجود رکھتا ہے۔ کوئی استفہامیہ، سوالیہ وغیرہ۔ پھر نظم میں ایک حصے کو دوسرے سے جُدا کرنے کے لیے (مصرعے) کا وقفہ دیا جاتا ہے۔ اِس 'خالی جگہ' کا بھی اپنا مفہوم ہوتا ہے۔

ایلن پو Essay: The Poetic Principal میں طویل نظم کی اکائی کی نفی کرتے ہیں، اُن کے الفاظ ہیں:

> I hold that a long poem does not exist. I maintain that the phrase, "a long poem," is simply a flat contradiction in terms.(5)

اِس موقف کی روشنی میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کسی بھی صنف کے، ہر فن پارے سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اَدب عالیہ کا شہکار ہو؟ بصیرت افروزی کے کسی نکتے سے، کوئی فیصلہ کن تاثر نہیں لیا جاسکتا۔ مغرب میں بھی عمدہ طویل نظمیں لکھی گئی ہیں جنھیں بہ طور مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔

فکری تغیرات کے ساتھ، تکنیکی لحاظ سے بھی طویل اُردو نظم اَب کسی رسمی تعارف کی محتاج نہیں۔ ہیئت کے اجزاے ترکیبی کو زیر بحث لا کر شعریات کی یافت ممکن ہے۔ مثنوی یا مسدس کی روایتی ہیئتوں میں منظوم داستان، منظوم ڈراما، منظوم سوانح عمری، منظوم سفر نامہ، حتیٰ کہ منظوم خطوط اور مختلف تاریخی و مذہبی واقعات کے طویل منظومے بھی موجود ہیں اور اِن روایتی ہیئتوں سے گزرتے ہوئے کینٹوز، نثری نظم یا کولاژ تک آتے آتے طویل نظم کے فنی سفر کی روداد نہایت دلچسپ ہو جاتی ہے، جس میں انتخابِ الفاظ کے وسیلے سے مصرع سازی کے رُجحان تک کا پھیلاؤ شامل ہے۔ موضوع کی یک رُخی، طویل نظم کے ارتقائی مراحل میں سب سے بڑی رکاوٹ رہی۔ آخر کار طویل نظم اپنی حیثیت کو جداگانہ تشخص دینے میں کامیاب ہوئی۔ آج جن اوصاف میں طویل نظم ہمارے سامنے ہے، اُس میں ہیئتوں کے کئی نمونے مل جاتے ہیں۔ اِس صورت حال کی صراحت کے لیے اقبال ایسے بڑے تخلیق کار کی مثال ہمارے سامنے ہے، اقبال نے طویل نظم میں جہاں اسلوبیاتی سطح پر اپنا سکہ منوایا، ساتھ ہی ترجیع بند اور ترکیب بند ہیئتوں کا استعمال کیا، جو بہ ذاتِ خود طویل نظم میں ایک فنی تجربہ تھا۔ مجید امجد، ن۔م۔راشد، میراجی، ساحر لدھیانوی، اختر الایمان، وزیر آغا، ضیا جالندھری، جوش اور دیگر شعرا نے طویل نظموں میں روایتی سانچوں کے بجاے نظم آزاد کی ہیئت کو ترجیح دی۔ ایک ہی نظم میں مختلف ہیئتوں کے کامیاب تجربے بھی کیے گئے۔

طویل نظم سوال در سوال پیدا کرتی ہے، وقت کے ایک بڑے فاصلے کو اپنے اندر سمیٹ سکتی ہے۔ اِس کے لیے کسی عظیم الشان موضوع کی شرط لازم نہیں بلکہ عام فہم موضوعات پر بھی

عمدہ طویل نظمیں لکھی گئی ہیں۔ موضوع کا تعلق تخلیق کے باطن سے ہے، یعنی موضوع فن پارے کے اندر سے بر آمد ہونا چاہیے نہ کہ پہلے موضوع کا انتخاب کر لیا جائے۔ بعض صورتوں میں یقینا موضوع طے شدہ ہوتا ہے، کسی سیاسی، مذہبی یا سوانحی حوالے کے علاوہ موضوع از خود نظم کے مصرعوں سے ہی نکل آتا ہے۔

اِس مجموعی بحث کو سمیٹے ہوئے ہم اِس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ :

طویل نظم سے مراد، نظم کی ایسی صنف ہے، جس میں طوالت کا ایک ایسا تصور اُبھرے جو اُسے مختصر نظم سے الگ کر دے، اُس میں مختلف الجہات اور مختلف الاطراف کڑیوں کی ایسی تطبیق ہو جس کا پھیلاؤ یک رُخی معنویت کا حامل نہ ہو۔ طویل نظم کیفیاتِ مسلسل کی اُس منظوم تشکیل کی زائیدہ ہوتی ہے جس میں مجموعی تاثر تقسیم نہ ہوتا ہو۔

اُردو میں طویل لکھنے کی روایت بہت مضبوط ہے۔ مثنوی،، قصیدہ، مرثیہ، شہر آشوب، واسوخت اور دیگر منظوموں سے طویل نظم نے بہت کچھ مستعار لیا ہے۔ رزمیہ عناصر اُس کی ڈرامائی کیفیات پر گرفت رکھنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ اسی لیے طویل نظم میں زرمیہ عناصر کی موجودگی اُسے زیادہ زرخیز بنا دیتی ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ اگر موضوع کی حسیت کو زیادہ پھیلا دیا جائے تو اُس کا حسن متاثر ہوتا ہے، اگر غیر ضروری وسعت دی جائے تو موضوع اپنی حیثیت کھو دیتا ہے۔ مسلسل اشعار کہنے کی مشق کو بھی اُستادانہ ہنر کے زمرے میں سمجھا جاتا رہا ہے۔ اُردو میں طویل نظم نے روایت کی اِسی پسلی سے جنم لیا۔ لیکن طویل نظم کی تعریف ایک پیچیدہ عمل ہے، کیوں کہ یہ محض مصرعوں کا انبار نہیں، طویل اور مختصر کے افتراق کو مد نظر رکھنے کا ایک زاویہ پیدا کرتا ہے۔ زندگی کے وسیع تجربات میں تہذیبی و ثقافتی اعتبار سے بھی اتنی گنجایش ہوتی ہے کہ اُسے صراحت سے بیان کیا جائے۔ یہ ارتباط موضوع کی وجہ سے ہو سکتا ہے، کرداروں کی وجہ بھی ہو سکتی ہے۔ واقعات کی تکرار، کڑیاں ملاتے ہوئے کسی نتیجہ پر منتج ہو سکتی ہیں۔ ایک منطقی ربط اِس عمل کو مہمیز دیتا ہے۔ معنویت، تاثریت اور مقصدیت کی ایک اکائی ہو سکتی ہے۔ یوں طویل نظم زندگی کی داستان بن سکتی ہے۔

مثنوی جو صنف اور ہیئت دونوں معائر اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے اور مسلسل نظم کی ایک صورت ہے جو کہ طویل نظم کا خاصا بھی ہے۔ اسلوب کے اعتبار سے دیکھیں تو اِس میں آزادی ہے، یعنی ہر شعر کا اپنا قافیہ ردیف ہے، لیکن مثنوی کو قصہ یا رزم گاہ سے نکل کر، اپنی حیثیت منوانے کے لیے بہت تگ و دو کرنا پڑے گی۔ مثنوی میں اشعار کا تعین نہیں رکھا جاتا، یہ پانچ اشعار

پر بھی مشتمل ہو سکتی ہے اور پانچ ہزار مصرعوں پر بھی۔ یہ اختصاص "طویل نظم" کی گنجایش پیدا کرتا ہے۔ یہ الگ موضوع ہے کہ طویل نظم کے جدید دور میں بھی مثنوی کی ہیئت میں بہت سی کامیاب نظمیں لکھی گئی ہیں۔ بعض اوقات کڑی سے کڑی جوڑنے کے لیے اصل سے کچھ زائد بھی جڑ جاتا ہے، جہاں ایک شعر دوسرے سے ہم آہنگی سے بڑھ کر "پیوست" ہوتا ہے۔ طویل نظم اِس "پیوند" کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ اُسے زینہ سے زینہ ملانے کی روایت کی پاسداری اِس حد تو کرنی ہوتی ہے کہ احساس کی لہر جڑی رہے، لیکن کس قیمت پر! اِس کا فیصلہ طویل نظم لکھنے والا اپنے عہد کے سماجی بیانیہ کے لحاظ سے کرتا ہے۔ فکری وحدت کا یہ مخصوص حوالہ طویل نظم کے لیے کوئی ایسا لازم کلیہ نہیں۔ جو تقاضے مثنوی سے کیے جاتے ہیں وہ اپنے صنفی مزاج کی بدولت آج طویل نظم سے نہیں کیے جاسکتے۔

لفظ کا تصور معنی کے بغیر ممکن ہے لیکن خیال کا تصور لفظ کے بغیر اُدھورا ہے۔ طویل رزمیہ اِس لیے زیادہ دلچسپ ہوتا ہے کہ اُس میں واقعات کا تسلسل اور ڈرامائی کیفیات پڑھنے والے کو اپنی گرفت میں رکھتی ہیں۔ مختلف تناظر، فلسفہ و تصوف کے طویل مباحث، رزمیہ و عشقیہ داستانیں، مثنوی کے نمایاں موضوعات ہیں۔ ہزار سال سے زائد رائج اِس صنف میں مبالغہ ایک شعری حسن ہے، جس سے مثنوی لفاظی کا شکار بھی ہو جاتی ہے۔ ہر نئے تجربے میں پُرانا تجربہ از خود شامل ہوتا ہے اور اِسی لیے مثنوی کا سِرا آج بھی طویل نظم سے کسی نہ کسی طور جُڑا ہوا ہے۔

قصیدہ اکائی میں پیوست ہے لیکن یہ بھی مد نظر رہے کہ قصیدے کی صنفی تشکیل میں یہ اکائی یک رُخی ہوتی ہے اور بعض اوقات شعری واردات سے تہی ہو کر کھردری یا سپاٹ لہجے میں بھی بدل جاتی ہے۔ اِس یک رُخی معنویت کو طویل نظم نے یکسر مسترد کر دیا ہے۔ "قصیدہ" زرخیز صنف ہے۔ عربوں کو اپنی زبانی دانی پر جو ناز تھا اُس کا علمی و عملی اظہار اُنھوں نے قصیدے میں کر دیا۔ قصیدے کے آغاز میں مدح اور ذم دونوں ہی صورتیں ملتی ہیں، لیکن اَب یہ صنف مدحیہ بن کر رہ گئی ہے۔ جہاں مقصد محض بادشاہ سلامت اور اہل دربار کی خوشنودی حاصل کر لینا رہ جاتا ہو، چاہیے اُس کے لیے، کسی بھی حد تک مبالغہ سے کام لینا پڑے، وہاں شعریت کا کیا تصور رہ جاتا ہے، بنیادی ضروریات کا حصول۔ قصیدہ جہاں اپنے موضوع کے حصار سے باہر نہیں آسکتا، وہاں اُسے فنی لوازم یعنی تشبیب، گریز، مبالغہ، حسن طلب اور دُعا بھی برقرار رکھنے کی سعی کرنا ہوتی ہے۔

"شہر آشوب" بھی اُردو میں طویل منظومے کی ایک شکل ہے، مروجہ معنوں میں شہر کی تباہ حالی اور ابتلاؤں کے مناظر کی عکاسی اِس صنف کا بنیادی تشخص ہے۔ ابتداً "شہر آشوب" کے مفہوم اور وجہ تسمیہ میں اِس عنصر کو بھی سامنے رکھنا چاہیے کہ آغاز میں اِس صنف کے اشعار کا

تعین ایسے نوخیز، پیشہ ور بانکوں کے حسن و جمال سے کیا جاتا ہے، جو شہر میں فتنے کا باعث بنتے ہوں۔ یہ صنف ایسے سطحی موضوعات کی بھرپور عکاسی کرتی دِکھائی دیتی ہے، حتیٰ کہ حافظ اور جامی ایسے بلند پایہ شعرا کے ہاں بھی 'شہر آشوب' کے ایسے اشعار مل جاتے ہیں۔ بہر حال اَب "شہر آشوب" سے مراد ایسی منظوم تخلیق ہے جس میں شہر کا تہذیبی، تمدنی، علمی اور ثقافتی آثار مٹنے کا ماتم کیا گیا ہے۔

اِسی طرح ایک اور طویل منظوم صنف مرثیہ ہے جو کربلا اور اہل بیت سے اپنی والہانہ عقیدت کے حامل اشعار کے اظہار کے لیے مختص ہو چکی ہے۔ اَب ذاتی رنج والم کی حامل تخلیقات کو بھی "مرثیہ" کے عنوان سے کم کم ہی پیش کیا جاتا ہے۔ الفاظ کی شان و شوکت، طراری، مناظر کی رقت آمیزی اور فطرت کے اَن گنت المیہ پیکر، متخیلہ کی قوت اور تخیئل کی خامہ فرسائی اِس صنف سے، اجمال اور اِس کے حصار کی محفظت کرتی ہے۔ طویل نظم نے مذکورہ طویل منظومات کو مستاصل نہیں کیا بلکہ اپنی گنجایش پیدا کی ہے۔

اُردو میں منظوم سوانح نگاری ایک اہم موضوع ہے۔ زندگی کے بیشتر واقعات نتیجہ خیز ہوتے ہیں، لیکن شاعرانہ ضرورت کے مطابق، منظوم کرتے ہوئے اُن کی شدت کو کم یا زیادہ کر دیا جاتا ہے۔ شاعر کسی واقعے کے، کس پہلو کو زیادہ نمایاں کرتا ہے یہ اُس کی صوابدید پر ہے۔ اِس منظومہ میں چونکہ اپنی ذات کو مرکز مان کر ساری کائنات کو دیکھنے کی روش عام ملتی ہے، لہٰذا اِس میں ایک "دائرے" سے باہر جانے والا از خود اپنی "سوانح" سے بھی باہر ہو سکتا ہے اور ظاہر ہے "اصل" سے کچھ نہیں بلکہ بہت کچھ زیادہ ہو جاتا ہے۔ طویل نظم میں سوانحی رُجحان نہ صرف شاعر کی زندگی بلکہ اُس کے اِرد گرد رونما ہونے والے واقعات بھی زیر بحث آتے ہیں۔

منظوم تاریخ نویسی کو بھی طویل منظوموں کا اہم رُجحان کہا جا سکتا ہے۔ منظوم سیاسی اور اسلامی تاریخ لکھنے کی مضبوط روایات بھی ہمارے سامنے ہیں۔ اِس میں معروضی حالات اور واقعات کے درست ہونے یا رہنے پر توجہ مرکوز رہتی ہے۔ منظوم سیرت نگاری اور منظوم تفاسیر، منظوم حج نامے، معراج نامے اور دیگر اسفار وغیرہ اَن گنت بہترین نمونوں کی بدولت اَدب عالیہ کا حصہ ہیں۔ منظوم ڈراما نویسی کی روایت بھی بہت مضبوط ہے۔ ڈراما کی بنیادی ضروریات میں کردار، مکالمہ، کیفیت، آغاز، درمیان یعنی 'نکتہ عروج' اور اختتام وغیرہ، آوازوں کا اُتار چڑھاؤ، جذبات کا برہنہ اظہار، یا اظہار کی گھٹن، دیگر عناصر جن کی وجہ سے ڈراما کی دلچسپی بڑھ سکتی ہے، اُس میں حقیقت یا افسانے کی قید نہیں۔ یہ اصناف بھی اپنے موضوع اور مزاج کی پابند ہیں، جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور یہ کیفیت طویل نظم کے لیے مثبت جواز کے طور پر لی جا سکتی ہے لیکن یہ طویل نظم کا نعم

البدل نہیں۔ مزید بریں طویل منظوموں میں واسوخت، ریختی، منظوم خطوط، ناول اور افسانوں کو بھی منظوم کرنے کی روایات موجود ہے۔

اُردو میں طویل نظم کی فکری و فنی روایت کا مفصل مطالعہ مہمیز دیتا ہے کہ اَدبی موضوعات کو عہد کے مسائل یا تبدیلیوں اور اِس کے نتیجے میں جنم لینے والے تحرکات، جذبات، اضطرابِ باطنی کی از سر نو دریافت کی جائے۔ یہ اثرات سماجی یا عمرانی حوالے سے ثقافتی و تہذیبی رُجحانات پیدا کرتے ہیں جن کے نفسیاتی اثرات بھی مرتسم ہوتے ہیں۔ فکر، سماجی و عمرانی حالات کے پس منظر سے نمودار ہوتی ہے۔ وحدتِ خیال، تسلسل اور اتمام، طویل نظم کی بنیادی خصوصیات ہیں، جہاں موضوع کی ترسیل برابر محسوس ہوتی ہے، بلکہ موضوع کی کھوج آگے سے آگے بڑھتا دکھائی دیتی ہے۔ شاعری اپنے عہد کے عصری مسائل کو اپنے اندر جذب کرتی ہے اور اپنے عہد کے اہم ترین عوامل میں اپنا حصہ ڈالتی ہے۔ شمس الرحمن فاروقی کی درج ذیل رائے اپنے مخصوص تناظر میں خاص اہمیت کی حامل ہے، وہ طویل نظم کی بُنت میں جن عناصر کو اہمیت دیتے ہیں، وہ یہ ہیں:

طویل نظم کے لیے دو طرح کے جواز ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ آپ کے پاس کوئی narrative theme ہے، کوئی بیانیہ، کوئی کہانی، کوئی واقعہ، کوئی complicated واقعہ، زرمیہ کی سطح کا، یا پھر کوئی واقعہ جیسے سحر البیان۔ دوسرا یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخصیت کسی ایسے theme کا اظہار کرتا ہے، جو meditative ہو، جس میں حیات و کائنات کے کسی بڑے مسئلے یا ذات و کائنات کے بڑے مسائل پہ اظہار کرنا مقصود ہو۔(۶)

اُردو اَدب کی فعال تحریکوں میں اصلاحی تحریک، ترقی پسند تحریک، حلقہ اربابِ ذوق، رومانوی تحریک، اسلامی تحریک، جدیدیت اور مابعد جدیدیت کی تحریک کے زیر اثر تخلیق ہونے والے شعری اَدب میں طویل نظم پر بھی توجہ دی گئی اور جو رد عمل طویل نظم کے خلاف بعد میں پیدا ہوا، اس کی ایک وجہ شاید طویل نظم کی منظم پیچیدگی بھی تھی کیوں کہ محض موضوع کے سہارے تو نظم نہیں لکھی جا سکتی، اِس کے اپنے تقاضے ہیں۔ خیال کا ارتقا، ارتباط اور شعریت کے تمام تقاضے بروئے کار لائے جاتے ہیں۔ طویل نظم میں اِن کا ہنر مندی سے برتاؤ، مختصر نظم سے کہیں زیادہ ضروری ہوتا ہے۔

اُردو ادب میں قیام پاکستان کے بعد "تقسیم" شش جہات موضوع کے طور پر سامنے آیا۔ اِس پس منظر میں انسانی المیوں نے نت نئی صورتیں اختیار کیں۔ بیسویں صدی کی ابتدائی دہائیوں میں رومانوی تحریک کے رُجحان سے پہلے طویل نظم میں سماجی اصلاح کاری، اقدار کا زوال، ماضی سے رغبت، ایسے موضوعات اقبال تک آتے آتے بہت صیقل ہو چکے تھے۔ بعد ازاں ترقی

پسند تحریک کے انقلابی افکار نے طویل نظم کے رُجحان کو اپنی گرفت میں لے لیا۔انسانی نفسیات، تخیلاتی اُپج، جمالیاتی عظمت اور داخلی پیچیدگیوں کو حلقہ اربابِ ذوق نے تحریکی صورت دی۔اِن تحاریک کے نتیجے میں نو آبادیاتی اور طبقاتی موضوعات بھی بہت سی صورتوں میں نمایاں ہوئے۔فرد کی تنہائی، انسان کی بے وقعتی بھی مشینی دور کے نئے موضوع اور نئے زاویے تھے۔علامتی، تجریدی اور دیگر مغربی و یورپی افکار سے متعدد رُجحانات ہمارے ہاں در آئے۔معریٰ، پابند اور آزاد نظم کے علاوہ نثری نظم اور دیگر نئی ہیئتوں نے اِن امکانات کو اپنی طرف متوجہ کیااور طویل نظم کو اسطوری اور داستانوی ماحول سے باہر نکالا۔سائنس فکشن، جادوئی حقیقت اور تخیلاتی وسعتوں سے بھی موضوعات نے، کئی ایک کروٹیں لیں اور بعض صورتوں میں طویل نظم کو لاہیئتی کیفیت میں بھی مبتلا کر دیا۔طویل نظم کے فکری سفر میں یہ توجیح بھی تلاش کی گئی ہے کہ طویل نظم کے لیے کسی "بڑے" موضوع کا ہونا لازم نہیں۔جیسا کہ انگریزی اَدب میں اِس کی کئی ایک مثالیں موجود ہیں ، جہاں کسی عام موضوع کو لے کر طویل نظمیں لکھی گئی ہیں۔نیز طویل نظم کو بہ طور صنف، نظریاتی موضوعات نے بھی مضبوط اساس فراہم کی ہے۔

طویل نظم کی طویل روایت کو منضبط کرنے میں علی قلب شاہ، نظیر اکبر آبادی، مولانا اسماعیل میرٹھی، مولانا محمد حسین آزاد، نظم طباطبائی، مولانا ظفر علی خان، مولانا الطاف حسین حالی، مولوی وحید الدین سلیم، دتاتریہ کیفی، شبلی نعمانی، درگا سہائے سرور، خان حسین احمد خان کے مناظمے جنھیں طویل نظم میں 'درمیان کی کڑیاں' بھی کہا جاسکتا ہے۔یہ اجمالی جائزہ طویل نظم کے فکری و فنی ارتقا کو سمجھنے اور اِسے مکمل صنفی حیثیت میں دیکھنے کے لیے مدد گار ثابت ہو سکتا ہے۔ ہر عہد کی نئی حسیت اپنے اظہار کے لیے نئے اسالیب تلاش کرتی ہے، تجربہ اپنے ساتھ نئی ہیئت بھی لاتا ہے، معنویت کے لیے محض زمانی پیرایہ کافی نہیں، اِس کے لیے اُن عناصر کا ہونا بھی ضروری ہے، جو ایک تاثر کو دوسرے سے الگ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

طویل نظم کی روایت اور ارتقا میں اقبال کی حیثیت Siphon جیسی ہے۔پانی کے بہاؤ کو مجتمع کر کے اُسے تندرو، تیز گام، سبک خرام اور ٹیل تک پہنچانے کے لیے یہ ذریعہ اپنایا جاتا ہے اور پھر اقبال کا شاعری میں بلند اور زور دار آہنگ بھی شاید اِسی لیے ہے کہ اُنھیں اپنی بات، دُور تک پہنچانا مقصود ہے، اُنھیں لاشعوری طور پر احساس یہ بھی ہے کہ اُن کے پیغام کو سُننے والے فاصلے پر ہیں۔اقبال محفلوں اور نشستوں کے علاوہ عوامی جلسوں میں جب اپنی نظمیں سناتے تو اِس خواص پسند شاعری میں ایک عام فرد کے لیے بھی اُس میں اِتنا کچھ ہوتا کہ وہ اپنی خوابیدہ قوتوں کو اُسارنے میں منہمک ہو جاتا۔

طویل نظم نے اپنی صنفی حیثیت کو منوانے کے لیے طویل سفر طے کیا، اُسے اپنی منزل پانے میں پانچ صدیاں لگ گئیں۔ بعد ازاں اپنی تخلیقی جست کے شذرات سمیٹنے کے لیے شعری تخلیقات سے اپنے حصے کے عناصر اکٹھے کیے اور اُنھیں حالی کے حوالے کر دیا جن کی مشاکی سے شعری اِمکانات میں بہت سی شروعات کے احسن اقدام کے ساتھ طویل نظم کے لیے بھی یہ مرحلہ نیک فعال ثابت ہوا۔ حالی نے طویل نظم لکھی تو اُس میں بس شیشے اور آئینے کا افتراق رہ گیا، یعنی وہ موضوع کو متنوع التناظر اور متنوع الاطراف پھیلانے کی سعی میں سرگرداں رہے، جسے اقبال کے جذبہ اظہار نے جدت بخشی، اقبال کے ہاں طویل نظم کی پہلی عطا یہی ہے کہ اُنھوں نے موضوع کو پھیلاؤ کی گنجایش فراہم کی۔ اقبال نے اِس صنف میں جاوداں شہ پارے تخلیق کیے، جس سے شعری فضا معطر اور کشادگی کے لمس سے وسعت آشنا ہوئی اور پھر یہ وسیع تناظر مجید امجد، راشد، میراجی، فیض، وزیر آغا، ضیاجالندھری، عزیز حامد مدنی، احسان دانش، ساحرلدھیانوی، اختر الایمان، جان نثار اختر سے ہوتی ہوئی یہ روایت جدید دور تک آ پہنچی۔

نئے تقاضوں نے معاشرتی ڈھانچے پر کاری ضرب لگائی اور اُس میں ایسی تبدیلیاں ہوئیں جن سے ماحول یکسر بدل گیا، صنعتوں کا فروغ Cosmopolitan City کے تصور نے شہروں کی زندگی میں جو ہیجان برپا کر دیا ہے، اُس پس منظر میں گاؤں سے شہر آنے والوں کی مشکلات اور بڑھتا ہوا معاشی عدم استحکام، نتیجتاً ایک ہی خاندان کے افراد کا کھچاؤ، خواہشات کا ٹوٹنا بگڑنا، ذہنی انتشار، تنہائی اور شناخت کا معدوم ہونا، جذباتی تناؤ وغیرہ اہم ترین رُجحانات ہیں۔ طویل نظم نے اِس چیلنج کو بہ خوبی نبھایا ہے۔ جدید نظموں میں فرد کی بے اطمینانی، اضطراب، مستقبل کے حوالے سے غیر یقینی کیفیات کا یہ ظہور ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

طویل نظم کا عمومی پہلو بھی پس انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اِس کی ایک مثال انجمن حمایت اسلام کے جلسوں میں پیش کی جانے والی طویل نظموں سے دی جاسکتی ہے جہاں اقبال کی طویل نظموں کی بازگشت کے علاوہ خواجہ دل محمد دِل (قبلہ نما) محمد الدین فوق (مسدسِ قومی) خان احمد حسین (تصویر یتیمی) اور دیگر بہت سی طویل نظموں کے حوالے دیے جاسکتے ہیں جنھوں نے عوامی مقبولیت حاصل کی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ طویل اُردو نظم کے مزاحمتی رویوں میں بھی بہت زیادہ veriation ہے اور یہ امتزاج، برعظیم پاک و ہند میں نو آبادیاتی اثرات سے بھرپور انحراف کا زائیدہ ہے۔

طویل نظم کا مسئلہ ذوق سے منسلک ہے۔ مختصر نظم شمع کی لو کی طرح ہے جب کہ طویل نظم کمرے میں روشن کیا ہوا فانوس ہے، جس سے کمرہ روشن ہو جاتا ہے۔ ہم اپنی طبعی اختصار پسندی

کی وجہ سے طویل نظم سے عرصے تک فاصلے پر رہے۔ طویل نظم کے لیے کوئی "بڑ' موضوع ہی انتخاب کرنا لازم نہیں بلکہ چھوٹے چھوٹے موضوعات پر بھی طویل نظمیں لکھی جا سکتی ہیں۔ انگریزی میں Sander Woores کی نظم "The Lost Parasol" اِس کی عمدہ مثال ہے ،جہاں ایک شخصی تجربہ ،کائناتی تجربے میں متبدل ہوتا دِکھائی دیتا ہے۔ اُردو میں طویل نظم کا فکری سفر اپنے دامن میں کئی ایک ایسے بے بہا نودرات سمیٹے ہوئے ہے۔

طویل اُردو نظم، اپنی فکری تموج کو برقرار رکھنے کے ساتھ فنی اوضاع آشکار کرنے میں دیگر شعری اصناف سے کسی طور کم نہیں۔ طویل اُردو نظم میں ہیئت کے تجربات کی نوترتیب ،اِس صنف کو مزید فعال کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو سکتی ہے اور پھر طویل نظم کے اجزاے ترکیبی کو زیر بحث لا کر شعریات کی یافت بھی ممکن ہے اور اِس کی عمومیت کو بھی پرکھا جاسکتا ہے کہ محض طویل لکھنا ہی طویل اُردو نظم کا جواز ہے یا اِس کے کچھ اور بھی معائر موجود ہیں۔ ایک تاثر کو کتنا پھیلایا جا سکتا ہے؟ یا اُس کی طوالت کو کس binding material سے جوڑ کر طویل اُردو نظم میں ڈھالا جا سکتا ہے۔ طویل اُردو نظم کے عہد بہ عہد مطالعے سے اِس کے پس منظر اور پیش منظر تک کے ہیئتی سفر کی جانچ پرکھ ممکن ہے۔ مثنوی سے نثری نظم تک آتے آتے ایسے بہت سے سوال ہیں، جو طویل نظم کے فنی سفر کی روداد بیان کرتے ہیں۔ شمیم حنفی اپنے مضمون 'طویل نظم سنہ ساٹھ کے بعد' میں اِس پیچیدگی کو اِس طرح بیان کرتے ہیں :

> ہمارے زمانے میں ایک ہیئت کے طور پر طویل نظم کا مسئلہ اتنا ہی مبہم اور پیچیدہ ہے جیسا کہ طویل مختصر کہانی کا کوئی ایک معین ضابطہ نہیں، جس کے مطابق یہ فیصلہ کیا جاسکے کہ نظم کون سی حد یا شکل اختیار کرنے پر طویل ہو جاتی ہے۔(۷)

اصلاحی تحریک جو انجمن پنجاب کے مشاعروں سے قبل بھی جاری تھی اور کسی نہ کسی صورت اِس کی شناخت موجود رہی۔ رومانوی تحریک کے رد عمل میں اسلامی تحریک اور بعد ازاں حلقہ اربابِ ذوق اور ترقی پسند تحریک نے اُردو اَدب میں نئے رُجحانات روشناس کیے۔ شعرا نے مروجہ سانچوں سے نہ صرف انحراف کیا بلکہ اِس کی ترغیب بھی دی۔ غزل کے متوازی نظم کا رواج ہوا، لیکن مزاج بدلنے میں وقت لگتا ہے۔ غزل میں کسی خیال کا سرا چُھو کر گزر جانے کا رویہ ہوتا ہے اور نظم، موضوع کی گہرائی میں اُتر کر پھیل جاتی ہے۔ اِس نئی صنف میں غزل کی لفظیات، اظہار، قافیہ ردیف، تشبیہ، علامت، استعارے اور پھر لفظ کا وہ روپ جسے آزادانہ حیثیت میں نظم کا حصہ بننا تھا، در آئے اور یہ وسیلے فطری طور پر ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے۔ ابتداً نظم نے نظم معریٰ اور پابند نظم کی صورت، غزل کے سانچے استعمال کیے۔ طویل نظم کے لیے بھی یہی

ہیئتیں برتی گئی اور کچھ اعلا طویل نظمیں بھی لکھی گئی۔ اِن نظموں میں قافیہ ردیف، مصرع کی بُنت، موضوعات کی یکسانیت، تراکیب کا بے محابہ استعمال، محبوب، ناصح اور رقیب کے روایتی کردار، یہ تمام محاسن وہی تھے وہ غزل کی روایت سے منسلک تھے۔

اُردو کی بیشتر اصناف میں موضوع کی یک رُخی، طویل نظم کے ارتقائی مراحل میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔ آخر کار یہ صنف اپنی حیثیت کو جداگانہ تشخص دینے میں کامیاب ہوئی اور اُس میں مغربی ویورپی نظم کے اثرات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ آج Relative Terms کے باوصف جن معنوں میں طویل نظم ہمارے سامنے ہے، اُس میں مثنوی، مسدس، مسمط، نظم معریٰ، پابند نظم، کی ہیئتوں میں کئی نمونے مل جاتے ہیں۔ ایک ہی نظم میں مختلف ہیئتوں کے تجربے بھی کیے گئے اور وہ کامیاب بھی ہوئے۔ مجید امجد کی نظم 'نہ کوئی سلطنتِ غم ہے نہ اقلیم طرب' اور ن،م،راشد کی نظم 'حسن کوزہ گر' اِس کی عمدہ مثالیں ہیں۔ طویل نظم میں یہ تجربات نظم آزاد تک محدود نہ رہے بلکہ مغربی اثرات نے جو نئی ہیئتیں اُردو شاعری میں متعارف کرائیں، اُن میں نثری نظم، سانٹ، کینٹوز، کولاژ (کولاج) وغیرہ کو بھی رواج دیا اور اِن ہیئتوں میں کامیاب طویل نظمیں لکھی گئیں۔ ن،م،راشد کے تیرہ قطعات، ڈاکٹر وزیر آغا اور ذوالفقار احمد تابش کی نظمیں اِس تناظر میں پیش کی جاسکتی ہیں۔ نیز ترجمہ کے ذریعے بھی طویل نظم کا فروغ عمل میں آیا۔

اُردو کی طویل نظم کا جدید عہد سے انسلاک نئے معنیاتی سانچوں (Matrix) سے جُڑا ہوا ہے۔ نئے منطقے آج کے سیاسی و سماجی حالات کے بدلنے سے بدل گئے ہیں۔ فرد اور معاشرے کے تعلق میں پڑنے والی گرہیں، اپنے راستے خود تلاش کر رہی ہیں۔ عمرانی نظریات پر زد پڑنے سے جمالیاتی پہلو بھی نئے سرے سے اپنے زاویے مرتب کر رہے ہیں۔ گزشتہ چند دہائیوں میں جس تیزی سے دُنیا کے حالات نے اپنی روش بدلی ہے اور جس کے اثرات مرتسم ہونے سے اب حتمی رائے قائم کرنا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ یعنی اب خوف سینہ تان کر، راستہ روک کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اَب تنہائی، ڈر، تحفظ نے اپنے معنوی وجود میں شدت بھر لی ہے۔ اُردو اَدب کی دیگر اصناف کی طرح طویل نظم پر بھی موضوعات کی یہ تبدیلی واضح طور پر محسوس کی جاسکتی ہے۔

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ طویل نظم میں اِس طرزِ نگارش میں 'پھیلاؤ' کو مبادیات میں شمار کرتے ہیں اور یہ اِس صنف کے تشخص کے لیے شعریات وضع کرنے کی ایک صورت ہے، وہ لکھتے ہیں:

> اجمال کسی بھی طویل نظم یا بیانیے میں اس کے حسن کو اتنا damage نہیں کرتا، جتنا غیر ضروری پھیلاؤ۔ کسی نظم میں اگر padding زیادہ ہو جائے تو نظم اپنے پیروں پر کھڑی نہیں ہو سکتی، لیکن اگر اس میں tightness اِس حد

تک بڑھ گئی ہو کہ اس میں ربط کی کمی محسوس ہونے لگے تو کہیں کہیں ذہن و شعور کی مدد سے جیسے جیسے وہ نظم رائج ہوتی چلی جائے گی، اِس کے مفاہیم کی تہوں کو دریافت کرنے کی زمانہ کوشش کرے گا۔ نظم کو جھیل لیا جائے گا، لیکن اگر اس کے کمزور حصے زیادہ ہوں گے، وہ نظم نہیں چلے گی۔ میں سمجھتا ہوں، تضاد کا تصفیہ اس طرح ہو سکتا ہے۔(۸)

اُردو میں "یک کتابی طویل نظم" کا چلن بھی اَب عام ہو چلا ہے۔ اس روایت کا فکری اور تکنیکی مابعد الامتیاز، تنگ رسی پر چلنے کے مترادف ہے۔ جہاں فکر کے ارتکاز پر بھی مرتکز رہنا پڑتا ہے اور اپنا "توازن" بھی برقرار رکھنا ہوتا ہے، جو طویل نظم میں تکنیکی تسلسل کو سمجھنے کے لیے ہماری مدد کر سکتا ہے۔ مثنوی، قصیدہ، مرثیہ، شہر آشوب، اور دیگر اصناف میں شعرا نے طویل لکھنے کے جوہر دِکھائے ہیں اور ہزاروں اشعاروں پر مشتمل منظومے پیش کیے ہیں۔ شاعر کا کسی مخصوص موضوع پر طویل لکھنا بھی گویا اُستاد شاعر ہونے کی ہنر مندانہ دلیل سمجھی جاتی تھی۔

دیکھنا یہ ہے کہ شاعر کا کوئی بھی مجموعۂ کلام جس میں نظمیں، غزلیں اور دیگر مفرد اشعار کسی مخصوص ترتیب اور عنوانات کے بغیر لکھ دیے جائیں، تو کیا وہ 'یک کتابی طویل نظم' شمار ہو گی؟ کیوں کہ اُن تمام تخلیقات میں ایک نامیاتی وحدت تو بہر حال موجود ہو گی ۔ الفاظ کی مماثلت، تشبیہ و استعارے کی یکسانیت بھی تلاش کی جا سکتی ہے۔ ممکن ہے نظموں میں کرداروں کی مماثلت بھی ہو۔ ایسی صورت میں اُسے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے یک کتابی طویل نظم تسلیم کر لیا جائے۔ اِس سلسلے میں پہلا سوال تو یہ ہے کہ خود شاعر کی رائے کیا ہے۔ آیا وہ اپنی تخلیق کو اِس عنوان سے پیش کرنا چاہتا ہے یا نہیں۔ دوسرا پہلو، موضوع کا ہے کہ اِس کا انتخاب کس حد تک اُس کی طوالت کو برقرار رکھتا ہے۔ پھر اگر تخلیق کا دورانیہ زیادہ ہو، تو اسلوب میں تبدیلیاں آنا، فطری ہے۔ شاعر کی یادداشت میں نئے الفاظ آجاتے ہیں۔ سوچنے سمجھنے اور اظہار کی صلاحیت میں نکھار آجاتا ہے۔ وقت کے ساتھ نظریات بھی بتدریج بدل جاتے ہیں۔ بہتر صورت تو یہ ہے کہ وقتاً فوقتاً موضوع کی طرف سے تفحص ہو۔ یعنی موضوع خود شاعر کو کریدتا رہے، اِس میں کوئی مثالب نہیں۔ "مسدسِ حالی" کو یک کتابی طویل نظم کا ابتدائیہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اُردو نظم کی تمام ہیئتوں میں یک کتابی طویل نظم لکھنے کی روایت، مضبوط شناخت قائم کر چکی ہے۔

طویل نظم کا ارتقائی سفر جس تیزی سے بیسویں صدی کے نصف آخر کے بعد ہوا، اِس کے پیچھے وہی طویل احساس کار فرما ہے، جس کی بازگشت میں، عظیم جنگوں کی سسکیاں شامل تھیں اور پھر انسانی المیوں کی نا مختتم داستان، ہندوستان کا دولخت ہونا، ایسے واقعات ہیں جن سے یہ خطہ اپنی

سیاسی و تہذیبی زندگی کے ایک بڑے تجربے سے گزرا تھا۔اِس کے نتیجے میں جو صورت حال رونما ہوئی، اُس کے اثرات تخلیق کاروں پر بھی مرتسم ہوئے اور یہ اثرات ایسے معمولی نہ تھے کہ اُن پر سرسری انداز میں اظہار کر کے تشفی ہو جاتی۔ چناں چہ یہاں کے شاعروں نے اِس وسیع رجحان کی ضرورت کو محسوس کیا اور طویل نظم کے سہارے اظہارات و جذبات کی ہمہ گیری کو جذب کرنے کی سعی کی۔ قاسم امام اپنے مضمون 'جدید اُردو نظم کا سفر' میں لکھتے ہیں :

> طویل نظموں کی طرف رغبت کے کچھ نفسیاتی محرکات بھی ہو سکتے ہیں اور کچھ اپنے جذبات کو زیادہ سے زیادہ بہتر طریقے سے پیش کرنے کی کوشش بھی۔(۹)

الحاصل یہ کہ وقت کے ساتھ طویل نظم کی ہیئت اور تکینک میں بھی بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئیں اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے اور پھر اس کی مبادیات میں جب کلچرل تناظرات کا انجذاب ہوا تو اُس میں ایک نیا رنگ پیدا ہوا جس سے طویل نظم کے اسلوب پر یقینا مثبت اثرات ہوئے۔عالمی استعمارات کے دباؤ نے کبھی ہمیں معاشرتی ٹھہراؤ نصیب نہیں ہونے دیا۔ عمرانی انحطاط پذیری کی وجہ سے آج کا انسان فکری اور جذباتی رشتوں کی تلاش میں سرگرداں ہے۔زندگی کا سبھاؤ، یک رُخی معنویت کا خاتمہ، پیچیدہ شخصیت کے درباز۔اَب نغمہ و گل کے بجائے ،ویگن کا سٹاپ، دودِ چراغ محفل کی جگہ ،زہر اُگلتا دھواں اور شور کرتے ہارن ،اِن ٹوٹتی اور اُلجھتی کڑیوں کو نئے سرے سے مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔انسانی چیخ اور گاڑی کی چیختی بریکوں میں کوئی مماثلت نہیں،ستارے اور برقی قمقمے کی چمک میں جو فرق ہے اُسے آج شاعر نے اپنے تخیل سے قریب کر دیا ہے ۔ہر زمانہ اپنے تقاضے ساتھ لے کر آتا ہے، انسان رونا ،ہنسنا، محبت یا نفرت کرنا ترک نہیں کر سکتا اُس کے بنیادی جذبے فعالی حالت میں رہتے ہیں، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ آج کے انسان کی تنہائی، آج سے ایک صدی پہلے کے فرد کی تنہائی سے مختلف ہے۔ ہر صنف اَدب کا دائرہ کار مختلف ہوتا ہے۔ آج کا بیانیہ روایتی اصناف میں اپنا اظہاری موقف بیان کرنے کی قدرت تو رکھتا ہے لیکن اُس میں کہاں تک زور پیدا ہو سکتا ہے۔ موجودہ عہد میں جو معاشرتی زوال اور تشکیک کی فضا موجود ہے اِس کا مفصل اظہار طویل نظم میں ممکن ہے، اُس سہولت سے کسی دوسری صنف میں اِتنی گنجایش نہیں۔قدیمی شعری نظام ،معنوی ارتقا کا نہ ہونا، موضوعات کا انجماد، تلمیحات، استعارے، تشبیہ، اضافت، علامت کا کہنگی، تہذیبی و ثقافتی مظاہر فارسی و عربی سے مستعار، لگے بندھے راستے، تراکیب کی اجنبیت، سپاٹ داخلیت، مفرد لفظ کی اہمیت سے عدم واقفیت، اجتماعی تجربات کا وفور، انفرادی مشاہدے کا فقدان، روحِ عصر کی بے دخلی، جس کی وجہ سے علامت تجرید

میں ضم ہو گئی اور اُس تناظر سے جہاں معاشرے کو انتقادی نظر سے دیکھا جا سکتا ہے، طویل نظم کے اِس افادی پہلو سے پہلو تہی کرنا ممکن نہیں۔

حوالہ وحواشی

1.Lynn Keller describes the long poem as being a poem that is simply "book length," but perhaps the simplest way to define "long poem" is this: a long poem is long enough that its bulk carries meaning.

۲۔ڈاکٹر وزیر آغا:"پہلا ورق"مشمولہ:اوراق کے ادایے، مرتب،ڈاکٹر اقبال آفاقی،لاہور:کاغذی پیرہن،2000ء،ص۹۲۱۔۰۳۱

۳۔ڈاکٹر ندیم صدیقی:"طویل نظموں کا تخلیقی مزاج" مطبوعہ:شاعر، بمبئی، شمارہ 1۔1997،ص30

۴۔شاہد شیدائی:"اداریہ; نظم نمبر"مطبوعہ:کاغذی پیرہن(۹) لاہور،مارچ،اپریل2003ء،ص31

5.Adgar Allan Poe : The Poetic Principle, English and American, The Harvard Classics, New Yark, P.F. Colher and Sons,1909-14

۶۔ شمس الرحمن فاروقی:"طویل نظم، مختصر نظم"مطبوعہ:اوراق،لاہور،مارچ،اپریل1984، ص51-50

۷۔ شمیم حنفی:"طویل نظم سنہ ساٹھ کے بعد"مشمولہ:خیال کی مسافت، کراچی: شہرزاد،2003 ، ص59

۸۔ڈاکٹر گوپی چند نارنگ:"طویل نظم، مختصر نظم"مطبوعہ اوراق،لاہور،مارچ،اپریل1984، ص48

۹۔ قاسم امام:"جدید اُردو نظم کا سفر"مطبوعہ: فکر و تحقیق،(نئی نظم نمبر)نیو دہلی: قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان، جنوری تامارچ2015ء ص92